نیاز حسین سواتی

پی ایچ ڈی اسکالر

شعبۂ اردو، جامعہ کراچی، کراچی

داستان: عروج و زوال کا تہذیبی تناظر

ABSTRACT

Dastan:Rise and Decline-cultural Perspective.
By Niaz Hussain Swati, PhD Scholar, Department of Urdu, University of Karachi.

A number of Urdu genres have declined in the subcontinent but the decline of every genre was not a natural process. Regardless of other Urdu genres, the decline of "Dastan" was influenced more by external elements rather than internal causes. These external factors include the political decline of Muslims, fascination of their writers about the West, and their intimidated view of their values, literature, and even religion through the eyes of the West. The most important role in the decline of Urdu Dastan was played by this feeling of inferiority. If the writer of a language becomes intimidated about any genre of indigenous literature, it leads to the closure of the door of creativity and invention of that genre in every possible method. However, the result of this lack of awareness was that the genre of storytelling has declined in the subcontinent. As a result of deprivation, we have lost the vocabulary, the world of idea and inspiration, and the treasure of storytelling that is our cultural, educational and creative need at the moment.

بعض بنیادی اصطلاحات ایسی ہوتی ہیں جن کا تصور اور مفہوم تو ہمارے ذہن میں موجود ہوتا ہے مگر انھیں الفاظ میں بیان کرنا آسان نہیں ہوتا۔ اس طرح کی اصطلاحات کسی مادّی اشیا کے ناموں کی طرح نہیں ہوتیں جن کے مطالب آسان ہوتے ہیں مگر ادب، تہذیب، فلسفہ اور مذہب کی اصطلاحات کے مفہوم کی ادائیگی ایک مشکل کام ہے۔ ان ادبی اصطلاحات میں ایک بنیادی اصطلاح 'ادبی صنف' بھی ہے۔ اگرچہ اس اصطلاح کے متبادل الفاظ تو موجود ہیں مگر وہ اس اصطلاح کی گہرائی اور وسعت کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ اردو لغات میں ادبی صنف کو نوع قرار دیا گیا ہے یا اسے ادبی تخلیق کی ایک قسم بتلایا گیا ہے (۱) حتیٰ کہ دائرۃ المعارف میں بھی اس کا ذکر تک نہیں ملتا۔

ایک صنفِ ادب محض ادبی فن پاروں کی درجہ بندی کا مسئلہ نہیں بلکہ ایک صنفِ ادب اپنے مقصد، تکنیک، لہجے،

ہیئت، مواد اور طوالت کے حوالے سے دیگر اصنافِ ادب سے ممیز ہوتی ہے۔ شاعری کی اصناف میں غزل، نظم، رباعی، مثنوی اور قصیدہ وغیرہ اہم ہیں۔ اسی طرح نثری اصناف ادب میں افسانہ، ناول، مضمون، مقالہ، داستان اور قصہ وغیرہ شامل ہیں۔ آگے بڑھنے سے پہلے داستان کی صنف کے بارے میں کچھ بنیادی باتوں کا اعادہ ضروری ہے تاکہ داستان کے موضوع پر آنے والے اگلے نکات کی تفہیم آسان ہو سکے۔ داستان ایک ایسی صنفِ نثر ہے جس میں (مستثنیات سے قطع نظر) مافوق الفطرت عناصر، واقعات، مقامات اور کرداروں کی بہتات ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اس میں قصہ در قصہ کہانی چلتی ہے۔ قصہ در قصہ آگے بڑھتی کہانی کی وجہ سے طوالت بھی عام طور پر داستان کا لازمی عنصر قرار پاتی ہے۔ داستان میں مثالی کردار، مثالی واقعات اور نتائج بھی مثالی ہی ہوتے ہیں۔ امید انسان کا سہارا ہے اور داستان اس کے افسانوی اظہار کا نام ہے۔ دنیا ناتمامیت کا نام ہے، اس ناتمامیت نے انسان کو تخیل، خواب اور امید کی دنیا میں گُم ہو جانے اور پھر دوبارہ زندگی کے معمول میں ایک نئی توانائی کے ساتھ پلٹنے کے لیے کہانی یا داستان کا سہارا لینے پر مجبور کیا۔ انسانی فطرت میں موجود مثالی دنیا کی پیاس نے آج کے مصروف ترین دور میں بھی افسانوی ادب کی کشش کم نہیں ہونے دی۔ کلیم الدین صاحب نے داستان کو خواب ہی کی دنیا قرار دیا ہے۔(۲)

بہترین کی تلاش اور ناممکن کو ممکن بنانے کی انسانی خواہش وہ بنیادی نقطہ جہاں سائنس اور ادب دونوں کے مقاصد میں شاید اہم ترین مقصد ہے۔ ادب، محض انسانی احساسات کی ترجمانی کا نام نہیں بلکہ تخیل کی سطح پر مثالی زندگی کے لیے انسانی خواہش کے اظہار کی عملی صورت بھی ہے۔ ادب صرف اس بات کا اظہار نہیں کہ موجودہ انسانی زندگی کیسی ہے بلکہ اس بنیادی سوال کا جواب بھی ہے کہ انسان کی مثالی زندگی کیسی ہونی چاہیے۔ اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ داستان، انسانی خواہشات کی امکانی اور تخیلاتی تکمیل کا نام ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ آج جو بات حدامکان سے دور معلوم ہوتی ہے وہ ہمیشہ انسانی علم وفن کے دائرے سے باہر ہی رہے، کل کے اُڑن قالین اور جامِ جہاں نُما کے داستانی تصورات آج ٹیکنو سائنس دور میں ہوائی جہاز اور انٹرنیٹ کا روپ دھار چکے ہیں اور چاند ستاروں کو گردِ راہ بنا لینے کی خواہش خلا کی تسخیر پر منتج ہو چکی ہے تو کون کہہ سکتا ہے کہ داستانی ادب کے بقیہ مافوق الفطرت عناصر کل حقیقت کا روپ نہیں دھار سکیں گے؟ شعرا اور داستان گو مصنّفین کے بحرِ بے کنار اور آئے روز ترقی کا نیا سنگِ میل طے کرتی ٹیکنالوجی اور انسانی تمنا کا دوسرا قدم کہاں ہوگا، کسے معلوم کہ خوابوں کے صورت گر داستان گو کا تخیل کب حقیقت کا روپ دھار لے اس کے بارے میں تو اشارہ کرنا بھی مشکل ہے۔ اس صورت حال میں داستانی ادب کے مافوق الفطرت عناصر کو اجنبیت کی نگاہ سے دیکھنا غیر منطقی ہوگا۔

تخیل اور اس کا بہترین اظہار ادب کی بنیاد ہے۔ داستان، انسان کو جس خواب ناک کیفیت میں لے جاتی ہے وہ کئی جہات سے اہم ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ داستان کی خیالی دنیا، انسانی تخیل کو تحریک دیتی ہے، یہ تخیل ایک فن کار کے ہاں تخلیق کے سانچے میں ڈھل کر انسانی تخیل کو مزید ابھارتا ہے۔ اس طرح خیال اور تاثر کا ایک لامحدود سلسلہ چل پڑتا

ہے۔اس طرح خیال کا ایک اہم ذریعہ یعنی داستان بلاشبہ ماضی میں بھی اہم تھی مگر جدید دور میں اس کی اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے جب انسانی رویے بھی مشینی انداز اختیار کرتے جا رہے ہیں۔جدید دور کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ ہر قسم کی تخلیقات کے لیے مادّی وسائل کی کثرت اور امدادی آلات کی ترقی کے باوجود ادبی و فنی تخلیقات کا دائرہ محدود ہوتا جا رہا ہے۔ اس کا ایک سبب مذہب اور ادب کے ان بنیادی ذرائع سے چشم پوشی بھی ہے جو بلاشبہ انسانی تخیل کے لیے ایک محرک کا کام کرتے ہیں۔اس سلسلے میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ داستان کی خواب ناک کیفیت میں انسانی اپنی روزمرّہ زندگی کی یکسانیت اور بوریت سے نجات پالیتا ہے اور زندگی کی جسمانی اور ذہنی جدوجہد میں ایک نئی توانائی کے ساتھ داخل ہوتا ہے۔

داستان کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ اپنی طوالت اور وسیع کینوس کی وجہ سے نثر کا خوب صورت مگر بے دریغ استعمال کرتی ہے۔زبان دانی اور ذخیرۂ الفاظ کا اس سے زیادہ اور شاید ہی کسی اور صنفِ نثر میں ممکن ہو۔ داستان سُنی جائے یا پڑھی جائے دونوں صورتوں میں یہ اپنے سامعین و قارئین کی زبان دانی اور ذخیرۂ الفاظ میں بیش بہا اضافہ کرتی ہے۔ ہندوستان میں نو وارد ایسٹ انڈیا کمپنی کے انگریز افسران اور ملازمین کو فورٹ ولیم کالج میں اردو سکھانے کے لیے داستانیں اسی لیے منتخب کی گئیں کہ زبان سیکھنے کے لیے دل چسپی، زبان دانی اور ذخیرۂ الفاظ کا اتنا بڑا ذخیرہ کسی اور صنفِ نثر میں استعمال ہو ہی نہیں سکتا۔

اردو کی دیگر اصنافِ ادب کی طرح داستان کا ورود بھی عربی فارسی کے ذریعے ہوا۔ اپنی گوں ناگوں خوبیوں کی بدولت اردو میں داستان کی صنف نے ترقی کے کئی سنگِ میل طے کیے۔ برعظیم پاک و ہند میں داستانی ادب نے اپنی دل چسپی، لسانی مہارت اور قصہ گو حضرات کی نفسیات شناسی کے سبب عوامی مقبولیت حاصل کی۔شہر کے مصروف بازاروں کے علاوہ گھروں کے اندر تک داستانی ادب کی رسائی ممکن ہوگئی۔عوامی مقبولیت کے علاوہ فورٹ ولیم کالج کلکتہ، دربارِ لکھنؤ اور آخر میں رام پور کے نوابین کی سرپرستی نے داستان کی ترقی کے لیے ماحول بنایا اور اسے وہ مالی معاونت فراہم کی جس نے داستان نویسوں کو اپنی داستانی دنیا سے ہٹ کر کہیں اور دیکھنے کا موقع نہ دیا۔(۳)

اردو زبان اس لحاظ سے خوش قسمت رہی کہ شروع میں اسے شاعری کی اصناف اپنی ترقی یافتہ شکل میں عربی اور فارسی سے دست یاب ہوگئیں اس طرح اردو کو کئی اصنافِ ادب کا ڈھانچہ، اسلوب اور خام مال عربی، فارسی کے علاوہ انگریزی سے اپنی بہترین شکل میں مل گیا۔ داستان کی صنف بھی ان میں شامل ہے۔ اس طرح برعظیم میں داستان کا فطری ارتقا نہیں ہوا۔ جہاں اس امر کے فوائد سمیٹے گئے وہاں ایک نقصان یہ ہوا کہ یورپی زبانوں کی طرح داستان نے اپنے آپ کو بتدریج ناول اور پھر افسانے میں نہیں ڈھالا بلکہ ختم ہو کر رہ گئی۔

تبدیلی، کائنات کا اٹل قانون ہے بلاشبہ زمانے میں صرف تغیر ہی کو ثبات رہا ہے مگر ضروری نہیں کہ زمانے میں واقع ہونے والی ہر تبدیلی مثبت ہی ہو اور بدل جانے والی چیز خراب ہی ہو۔اس لیے مگر ہر تبدیلی کو اس کے مثبت اور منفی اثرات و

نتائج کے حوالے سے جانچا جاتا ہے۔ تبدیلی خود کوئی پیمانہ نہیں بلکہ باشعور انسان ہر تبدیلی کو خیر وشر کے کسی نہ کسی پیمانے پر پرکھتا ہے۔ فی زمانہ اردو کی اصنافِ نثر میں تبدیلی کا سب سے زیادہ اثر قبول کرنے والی صنف داستان قرار پائی ہے مگر داستان سے افسانے تک کا سفر محض اصنافِ نثر کے ترک واختیار کا معاملہ نہیں بلکہ یہ انسانی معاشروں میں ہونے والی عظیم سماجی تبدیلی کا محض ایک پہلو ہے۔ سماج بدلتا ہے تو یہ تبدیلی محض گلی کوچوں میں واقع ہونے والی تبدیلی نہیں ہوتی بلکہ اس طرح کی تبدیلیاں ہر شعبہ زندگی کو متاثر کرتی ہیں۔ یورپ کی تاریخ بتاتی ہے کہ صنعتی انقلاب صرف ذرائع پیداوار کی تبدیلی اور ان کی رفتار کا مسئلہ نہیں بلکہ معیشت سے خاندان اور مذہب تک زندگی کے ہر میدان میں اس کے زیرِ اثر دیرپا تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئیں۔ صنعتی اقدار نے انسانی اقدار اور معمولاتِ زندگی کے حوالے سے تاریخ کے زریں معاشروں کو بدلنا شروع کردیا۔ انسانوں کے معمولاتِ زندگی مکمل طور پر بدل گئے۔ مذہبی وخاندانی اقدار کے زوال اور معاشی اقدار کی بڑھتی ہوئی اہمیت کے حوالے سے یہ تبدیلی انقلاب آفریں ثابت ہوئی۔ اب فرد کے پاس خاندان، دوست اور قبیلے کے لیے وقت کم سے کم ہوتا چلا گیا اور یہ سلسلہ یہاں تک آ پہنچا کہ بالآخر فرد کے پاس خود اپنے لیے بھی وقت باقی نہ رہا۔

ایسے میں یہ ناممکن تھا کہ زندگی کا ترجمان ادب ان تبدیلیوں سے بے بہرہ رہتا۔ اس سماجی تبدیلی نے داستان جیسی صنف کو بھی متاثر کیا۔ اپنے ہی جیسے انسان کی سرگزشت ہمیشہ سے انسانوں کے لیے ایک دل چسپ موضوع رہی ہے۔ خاص طور پر ایک ایسا انسان جو کش مکشِ حیات میں ناقابلِ یقین اور خطرناک مہمات سے گزر کر کامیاب ہوا ہو بہرحال ہر زمانے میں ایک پُرکشش موضوع رہا ہے۔ اس سلسلے نے قصہ گوئی سے اپنے سفر کا آغاز کیا اور داستان کی شکل میں اپنے بہترین مظاہر پیش کرنے لگا۔ صنعتی انقلاب نے جب معاش اور اس سے متعلقہ سرگرمیوں کو محور بنالیا تو دیگر سماجی تبدیلیوں کے ہمراہ ایک تبدیلی یہ بھی ہوئی کہ طویل داستان اپنی بیش بہا خوبیوں اور کشش کے باوجود بے اعتنائی کا شکار ہوگئی۔

اس ضمن میں ایک فکری تبدیلی یہ بھی ہوئی کہ سائنس کی بڑھتی ہوئی پیش قدمی کے نتیجے میں انسان، زندگی کی محسوس حقیقتوں سے قربت محسوس کرنے لگا۔ مافوق الفطرت اور مذہبی عناصر جو عام طور پر داستان کا جزولاینفک ہیں اب انسان کو دور کی کوئی چیز محسوس ہونے لگے۔ اس صورت حال نے داستانی کی طرف توجہ کم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس کے باوجود یورپ میں داستانیں لکھی اور پڑھی جاتی رہیں، اگرچہ ان کی تعداد اور قدردانی کی وہ سطح نہ رہی جو اس سلسلے میں معمول سمجھی جاتی تھی۔

اردو میں داستان کے زوال کو تجزیوں میں اس کی فطری طوالت اور اس کے مافوق الفطرت عناصر کو اس کے زوال کا ذمے دار بتایا جاتا ہے۔ بادی النظر میں ایسا ہی معلوم ہوتا ہے مگر اردو داستان کے زوال کی کہانی کا گہرا مطالعہ بتاتا ہے کہ عربی فارسی کے اردو ادب میں داخل ہونے والی داستان کے عروج اور عوامی سطح پر اس کے قبول عام کا ایک سبب اس کا تہذیبی پس منظر بھی ہے۔ یورپی داستانوں کے مافوق الفطرت عناصر اپنا سیکولر پس منظر رکھتے ہیں۔ بھوت اور پریوں کا کوئی تعلق عیسائی مذہب سے نہیں ہوتا۔ اس کے مقابلے میں اردو داستان کے مافوق الفطرت عناصر کی بنیادیں مذہبی ہیں۔ اُڑن قالینوں سے

لے کر مشکل میں ہیرو کے مدد کے لیے اچانک نمودار ہونے والے بزرگوں تک زیادہ تر مافوق الفطرت عناصر اپنا مذہبی پس منظر رکھتے ہیں۔ حضرت علیؓ اور حضرت خضرؑ اور جنگل میں گوشہ نشین صوفی بزرگان کا کسی نیک مقصد کے حصول کے لیے سرگرداں ہیرو کی مدد کے لیے حاضر ہونا بہرحال اس ہنداسلامی تہذیبی پس منظر کا عکاس ہے جو ان داستانوں کے زمانے میں یہاں موجود تھی۔

داستانوں کے مافوق الفطرت عناصر کو غیر حقیقی اور قابل اعتراض بتایا گیا مگر اس حوالے سے اہم ترین سوال یہ ہے کہ حقیقت ہے کیا؟ اور اس حقیقت کو جاننے کا پیمانہ کیا ہے؟ جس کی مدد سے حقیقت اور وہم کی تمیز ممکن ہوگی؟ ایک اہم سوال یہ بھی ہے کہ جس زمانے میں یہ داستانیں لکھی گئیں اور موجودہ دور میں ہمارے نظریہ حقیقت میں وہ کون سی تبدیلی واقع ہوئی جس نے ہمیں مافوق الفطرت عناصر کو اجنبیت کی نگاہ سے دیکھنے پر مجبور کر دیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ داستان کے مافوق الفطرت عناصر سے اجنبیت، حقیقت کے بارے میں ہمارے نقطۂ نظر میں تبدیلی کے بغیر ممکن نہ تھی۔ استعماری تسلط کی تکمیل صرف ہندوستان کے جغرافیہ پر اثر انداز نہیں ہوئی بلکہ انگریزی استعمار نے حقیقت کے بارے میں ہمارے نقطہ نظر میں تبدیلی لا کر حقیقت کے اسی تصور کو حقیقی باور کروایا جو انیسویں صدی کی سائنس پیش کر رہی تھی۔ حقیقت اور اس تک رسائی ممکن بنانے والے ذریعۂ علم کے نئے تصور نے مذہب اور ماضی کے ہر اس تصور کو ہمارے ہاں اجنبی بنا دیا جسے سائنس کے دائرے میں ثابت کرنا ممکن نہیں تھا۔ یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ زیادہ تر اردو داستانیں برعظیم میں مسلمانوں کے سیاسی زوال کے وقت لکھی گئیں مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان میں سے زیادہ تر داستانیں عربی اور فارسی کے داستانی ادب سے ترجمہ کی گئیں۔ ایک تو عرب اور ایران اپنے داستانی ادب کی تخلیق کے زمانے میں کسی سیاسی زوال کا شکار نہیں تھے بلکہ اپنی تہذیب کے بارے میں ایک قسم کے احساس تفاخر کے حامل تھے۔ برعظیم میں بھی ملتی جلتی صورت حال تھی۔ یہاں سیاسی زوال کے باوصف اپنی تہذیب کے بارے میں وہ احساس کم تری پیدا نہیں ہوا تھا جس کی وجہ سے آگے جا کر برعظیم میں داستانی ادب ناپید ہو گیا۔

تخلیق اپنی نہاد میں ایک قسم کی آزادی اور خود اعتمادی کی متقاضی ہے۔ کسی بھی قسم کا احساس کم تری تخلیق کا دشمن ہے۔ جو قومیں اپنی زبان ادب کے بارے میں کسی قسم کے احساس کم تری میں مبتلا نہیں ہیں وہاں کئی کئی ضخیم جلدوں پر مشتمل داستانیں بھی وقت کی کم یابی کے حوالے سے کم تر نہیں سمجھی گئیں بلکہ اپنی تخلیقی قوت اور قوتِ متخیّلہ کی وجہ سے انھوں نے نہ صرف اپنی زبان کے قارئین میں مقبولیت کے ریکارڈ قائم کیے بلکہ عالمی ادب میں اپنا مقام بھی متعین کر لیا۔ اس امر کی تازہ مثال ۱۹۹۷ء میں سامنے آنے والی داستان "ہیری پوٹر" ہے جس نے پانچ ارب نسخوں کی فروخت کے ساتھ عالمی سطح پر قبولِ عام کی سند حاصل کر لی۔ (۴)

ہیری پوٹر کی مثال سے واضح ہوتا ہے کہ داستان سمیت کسی بھی ادبی صنف کا عروج و زوال کئی تہذیبی عوامل کا نتیجہ ہوتا ہے مگر اس سلسلے میں اہم ترین عامل کسی بھی صنف ادب کے فن کار کی تخلیقی قوت اور احساس برتری ہے جو اسے اپنی تہذیبی قوت سے نہ صرف آگاہ کرتا ہے بلکہ اسے فکر و فن کے شاہ کار تخلیق کرنے پر ابھارتا ہے۔ اپنی تخلیق کے شعور و اعتماد نے ہیری

پوٹر کی مصنفہ جے کے رولنگ (۱۹۶۵ء) کو سپر انڈسٹریلزم کے اس دور میں مافوق الفطرت عناصر اور طوالت کے عناصر سے بھرپور ایک ایسا شاہ کار پیش کرنے پر آمادہ کیا جس نے اپنی تخلیقی قوت اور قوت متخیّلہ کو چہار دانگ عالم میں منوالیا۔ ایسا اس لیے ممکن ہوسکا کہ انگریز قوم اور جے کے رولنگ نہ توکسی قسم کے احساس کم تری میں مبتلا ہے اور نہ ہی اظہارِ فن کی تکمیل کی ضروری طوالت سے خوف زدہ۔

آج سے کئی دہائیاں قبل پی ٹی وی پر ہماری قابل فخر داستان الف لیلہ کی ڈرامائی تشکیل اور پیش کش بند کردی گئی۔ وجوہات یہ بتائی گئیں کہ یہ سائنس وٹیکنالوجی اور سائنس فکشن کا دور ہے لہٰذا اب یہاں یہ زمانہ قدیم کی مافوق الفطرت داستانیں نہیں بلکہ سائنس فکشن دکھائے جائیں گے۔ ہیری پوٹر کے شاہ کار نے سائنس وٹیکنالوجی کے گھر یعنی یورپ سے برآمد ہوکر ان تمام مفروضوں کو غلط ثابت کردیا کہ دورِ جدید کا انسان سائنسی ذہن اور بڑھتی ہوئی مصروفیت کا حامل ہونے کی وجہ سے داستان کے لیے وقت نہیں نکال سکتا۔ ہیری پوٹر اور الف لیلہ کے تفصیلی تقابل سے قطع نظر یہ اک حقیقت ہے کہ ان دونوں کا سرسری مطالعہ بھی الف لیلہ کو اس کے تخلیقی حسن، ماحول، کردار اور موضوع کی بلندی کی بنا پر ہیری پوٹر سے فائق تر ثابت کرتا ہے۔ مگر برعظیم پاک وہند کا فن کار اپنے احساس کم تری سے باہر نکل کر ہی اپنی تخلیقی جوہر کے شاہ کار تخلیق کرسکتا ہے۔

برعظیم پاک وہند میں داستان کے زوال کی بڑی وجہ یہ ہے کہ نوآبادیاتی دور نے یہاں کے تخلیق کار کی عزتِ نفس اور تخلیقی قوت پر منفی اثر مرتب کیا جس کے نتیجے میں ہم اپنی قابل فخر تہذیبی وتخلیقی قوت سے محروم ہوگئے۔ یہاں ایک اہم سوال یہ بھی سامنے آتا ہے کہ کیا یہ ضروری ہے کہ جب ابن خلدون کو یورپ جدید سماجیات کا بانی اور ایک عظیم مفکر ماننا شروع کردے تو ہمارے ہاں بھی مقدمہ ابن خلدون کی واہ واہ شروع ہوجائے اور جب ہمارے مغربی آقا ہمارے کسی تہذیبی مظہر کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنے لگیں تو ہم بھی اس پر شرمندہ ہوجائیں، جب فرنگ کے ذہن پر سائنس کا غلبہ ہوجائے تو ہم الف لیلہ جیسی داستان پر شرمندگی محسوس کریں اور جب برطانیہ سے ہیری پوٹر برآمد ہوتو ہم بھی تحسین کے نعرے بلند کرتے ہوئے میدان میں آجائیں۔ حالی سے حال تک مغرب کی اندھی تقلید کے جال تخلیق کار کو داستان جیسی عظیم الشان صنف سے اعراض پر مجبور کیے ہوئے ہیں ورنہ داستان کا جہانِ دیگر اب بھی ہماری نئی نسل کو اپنی تہذیب، زبان اور زبان دانی کی مہارتوں کی طرف راغب کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

حواشی

(۱) اردو لغت (تاریخ کے اصول پر)، جلد دوازدہم، (کراچی: اردو لغت بورڈ، ۱۹۹۱ء) کراچی، ص۔۹۹۱

(۲) کلیم الدین احمد، اردو زبان اور فنِ داستان گوئی، (لکھنؤ: ادارۂ فروغِ اردو، ۱۹۷۲ء)، ص ۳۹

(۳) ڈاکٹر سہیل بخاری، اردو داستان: تحقیقی وتنقیدی مطالعہ، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۷ء)، ص ۵۱۵

(۴) https://en.wikipedia.org/wiki/Harry_Potter#Commercial_success

مآخذ

(۱) احمد، کلیم الدین، اردو زبان اور فنِ داستان گوئی، (لکھنؤ: ادارۂ فروغِ اردو، ۱۹۷۲ء)، ص ۳۹

(۲) بخاری، سہیل، ڈاکٹر، اردو داستان: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۷ء)، ص ۵۱۵

لغت

(۱) اردو لغت (تاریخ کے اصول پر)، جلد دوازدہم، (کراچی: اردو لغت بورڈ، ۱۹۹۱ء) کراچی۔

ویب گاہ

(۱) https://en.wikipedia.org/wiki/Harry_Potter#Commercial_success